مولانا ابوالمعز عرفان الحق حقانی

تذکرہ تین بزرگوں کا

- شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمہ اللہ
- شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی رحمہ اللہ
- حضرت قاضی عطاء الرحمٰن جہانگیروی رحمہ اللہ

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان سے وابستہ یادیں

آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

دادا جان شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق کے زمانہ تدریس دیوبند کے تلامذہ میں سے پاکستان میں جن شخصیات سے سب سے زیادہ فیض اور خیر وبرکت کا سلسلہ جاری ہوا، ان میں ایک عظیم نام وفاق المدارس کے صدر، جامعہ فاروقیہ کے بانی و مہتمم، دور حاضر میں علماء طلبا کے دلوں کی دھڑکن، بقیۃ السلف عالم دین، شارح بخاری شریف، حضرت مولانا سلیم اللہ خانؒ کا ہے۔ افسوس کہ آپ گزشتہ دنوں ۱۵ر جنوری بروز اتوار بعد عشاء اس دار فانی سے کوچ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون موجودہ دور میں جب ہر طرف سے مدارس اور دینی مراکز کو باطل کے خونخوار عزائم کا سامنا ہے ان جیسے حضرات کا وجود ڈھال اور نگہبان کی حیثیت رکھتا ہے، جن سے ہم محروم ہوگئے، آپ کی رحلت سے جو خلا پیدا ہوا ہے، شاید ہی کہ وہ پُر ہوسکے۔ ابھی کل ہی کی بات لگتی ہے کہ موصوف جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے شیخ الحدیث مولانا سید شیر علی شاہ کی رحلت پر تعزیت کے لئے تشریف لائے تو ہزاروں طلبہ نے بہ ایں عظیم غم وحزن کے بھی اس اسلامی سپوت کا پرتپاک استقبال کیا۔ دفتر اہتمام میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کے ساتھ فاتحہ وتعزیت فرمائی، اس موقع پر حضرتؒ نے سخت ضعف ونقاہت اور بیماری کی وجہ سے گفتگو کم بلکہ بالکل نہ ہونے کے برابر فرمائی، تو احقر نے حضرت سے فیض حاصل کرنے کی غرض سے اس مجلس میں آپ سے چند سوانحی سوالات کیے جن میں پہلا سوال یہ تھا کہ آپ نے شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ سے دیوبند میں طحاوی شریف میں کسب فیض پایا کیا اس کے علاوہ بھی دیگر کتب میں استفادہ کا موقع ملا۔ میرے اس سوال پر وفاق المدارس کے اسلام آباد سے

تعلق رکھنے والے رکن قاضی عبدالرشید نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ چونکہ حضرت بیمار ہیں اور گفتگو کرنے سے مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لئے میں جواب دیتا ہوں لیکن حضرت نے حد درجہ محبت وشفقت اور کمال اصاغر نوازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں اشارے سے چپ کروایا اور خود گویا ہوئے کہ میں نے آپ کے دادا سے حمد اللہ اور جلالین شریف کی کتابیں بھی پڑھیں۔ میں نے استفسار کیا کہ جلالین کا حصہ اول یا آخر؟ تو فرمایا اس زمانے میں اول اور آخر نہیں ہوتے تھے، صرف ایک اُستاد کے پاس مکمل جلالین شریف ہوتی تھی۔ گفتگو کے دوران حضرت کی طبیعت کھلنے لگی تو میں نے دوسرا سوال کیا کہ ہم نے بعض اکابرین جیسے حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے متعلق پڑھا ہے کہ انہوں نے ایک ماہ کے قلیل عرصے میں قرآن پاک حفظ کیا۔ اسی طرح کی روایت آپ کے متعلق بھی مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی اس سے سرفراز فرمایا۔ میں آپ سے اس بات کی سند متصل کرنا چاہونگا۔ اس پر فرمایا کہ میں نے ستائیس روز میں قرآن پاک یاد کیا، اس دوران سترہ دن تک مسلسل معمول کے مطابق سویا بھی نہیں۔ پھر اپنی فطرتی تواضع کی بنیاد پر اپنی تنقیص کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کے بعد میں ایک طویل مدت تک قرآن پاک کی تلاوت بھی نہ کرسکا۔ گویا کہ پہلی بات میں بظاہر عجب کا شائبہ تھا تو دوسری بات سے اپنی کوتاہی کا اظہار فرمادیا۔ حضرت کے خوشگوار موڈ نے مجھے مزید سوال کرنے پر آمادہ کیا تو پوچھا کہ یہ کس زمانے کی بات ہے کہ آپ نے حفظ قرآن کی سعادت پائی۔ فرمایا! کہ یہ میرے جلالین ہی پڑھنے کا سال تھا۔ آخری سوال انکی تاریخ پیدائش اور تعلیم کے متعلق کیا۔ جواباً کہا کہ میں ۲۵ دسمبر ۱۹۲۶ء کو ہندوستان کے ضلع مظفرنگر میں کے قصبہ حسن پور میں پیدا ہوا۔ پرائمری تک عصری تعلیم پائی اور پھر جلال آباد کے ایک مدرسہ مفتاح العلوم سے اسلامی علوم پڑھنے شروع کیے۔ درسی نظامی کے آخری تین سال کیلئے دارالعلوم دیوبند سے وابستہ ہوا۔ اختتامِ مجلس پر احقر نے عرض کیا کہ سوالات تو اور بھی ذہن میں ہیں لیکن آپ کی تکلیف کے مدنظر اسی قدر توجہ اور استفادہ پر اکتفا کرلونگا جس پر مخصوص متبسمانہ انداز سے شفقت کا اظہار فرمایا۔ پھر آپ دارالحدیث تشریف لے گئے جہاں دو تین جملوں پر مبنی تعزیت فرمائی اور طلبا کو اجازت حدیث سے نوازا، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ اور دارالعلوم حقانیہ سے آپ کو والہانہ تعلق رہا تھا، اسی نسبت سے میں جب بھی حاضر خدمت ہوا تو ہمیشہ خصوصی توجہات اور تشجیعات سے نوازا۔ ایک دفعہ غالباً 2002ء میں جامعہ فاروقیہ کراچی زیارت کیلئے حاضری ہوئی تو اس ملاقات میں کشف الباری شرح صحیح بخاری کی تدوین، اس کے بنیادی مآخذ ومصادر اور خاص کر حضرت مدنیؒ کے درسی تقاریر وغیرہ پر تفصیلی ارشادات سے نوازا۔ کشف الباری کے متعلق فرمایا کہ اس کے جملہ حقوق مدرسے کیلئے وقف کیے ہیں۔ اس دوران آپکے ہم سبق حضرت مولانا ڈاکٹر اسرارالحق صدیقی اکوڑویؒ کا ذکر خیر بھی ہوا۔ مجھ سے زیر درس کتب کے بارے میں پوچھا تو میں نے ارشادالصرف، گلستان وبوستان مختصر القدری، شرح

تہذیب، ریاض الصالحین وغیرہ کا ذکر کیا اس پر فرمایا کہ چھ سات سال تدریس کے ہو بھی گئے اور اب بھی ابتدائی کتب ہی پڑھا رہے ہو میں نے عرض کیا کہ حضرت ہمارے ہاں حقانیہ میں جمودی تدریس ہوتی ہے، بڑے بڑے اساتذہ کرام تیس پینتیس سال سے حسامی سے آگے نہیں بڑھے اگر کوئی استاد دنیا سے پردہ کر جائے تو اسکے کتب پر دیگر اساتذہ کی ترقی ہوتی ہے۔ جس پر فرمایا کہ ہم تو نوجوان اساتذہ کو بڑی اور مغلق کتابیں دیتے ہیں اس لئے کہ انکے عزائم اور حوصلہ تازہ ہوتا ہے۔ اختتام مجلس پر حد درجہ شفقت فرماتے ہوئے مجھے دوپہر کے کھانے کیلئے اپنے ہاں رکوایا۔ ایک موقع پر دارالعلوم حقانیہ میں 1982ء کو وفاق المدارس کے اجلاس کے دوران اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے خطاب کے دوران فرمایا حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم کا فرزند روحانی ہونے کی وجہ سے یہ خادم دارالعلوم حقانیہ کو اپنا مادر علمی سمجھتا ہے اس لیے مجھے بطور خاص خوشی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں وفاق المدارس العربیہ کے اجلاس کیلئے اس جامعہ کو منتخب کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اسی اجلاس میں اہل مدارس کو رجال کار پیدا کرنے کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا: کتنی بڑی ہماری جماعت ہے کتنے ماشاء اللہ ہمارے مدارس ہیں اور کتنے ہمارے طلبہ ہیں کہ ملک میں نہ علماء کی جماعت کسی کے پاس اتنی بڑی ہیں نہ اتنے اہم اور وقیع ادارے کسی مکتب فکر کے پاس موجود ہیں اور نہ طلبہ کی تعداد اتنی کسی کے پاس ہیں اور ایسی صورت میں ہم اس نعمت عظیم کی قدر نہ کریں ہماری زندگی کا تو مقصد ہی یہی ہے کہ رجال کار تیار کریں ہم ایسے مضبوط کردار کے لوگ اور ایسے صاحب علم لوگ، صاحب بصیرت لوگ اور رسوخ فی العلم رکھنے والے علماء یہاں تیار کریں کہ زمانہ دیکھے اور سمجھے کہ ان حضرات کی خدمات کا کیا انداز ہے۔ اپنے شیخ حضرت مولانا عبدالحقؒ سے بے مثال متواضعانہ تعلق کا اظہار کرتے ہوئے انکی وفات پر حضرت نے لکھا کہ ''احقر کو ان کے ہزار ہا شاگردوں کی فہرست میں ایک ادنی درجے کے شاگرد کی حیثیت سے شمولیت کا شرف حاصل ہے اور میرے اپنے گمان کے مطابق یہ عزت صرف دنیا کی حد تک ہی وجہ افتخار نہیں بلکہ آخرت کے ابدالآباد کی زندگی میں بھی اس کے ذریعہ کامیابی اور سعادت اندوزی کی بڑی توقعات وابستہ ہیں۔ حضرت مولانا مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے بڑی جامع صفات شخصیت عطا فرمائی تھی اگر وہ ایک طرف علم کے سمندر کے شناور تھے اور تمام اقسام علوم میں ان کو وسعت نظر کے ساتھ حقیقی بصیرت بھی عطا ہوئی تھی تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے عالم ینتفع بعلمہ کی عظمت سے ان کو ایسی درخشاں بلندی عطا فرمائی تھی کہ بلاشبہ اپنے دور میں علمی افادے کے اندر ان کی مثال اگر نایاب نہیں تو کم یاب ضرور تھی۔ ان کے اخلاق عالیہ تواضع وانکساری، صبر وتحمل، احسان وکرم گستری، شفقت ورحمت، عفوودرگزر، جرأت ایمانی اور حق وصداقت کیلئے اولوالعزمی، عمل وعلم میں کمال امتیاز، استغناء وسیر چشمی وغیرہ نے ہر کہ، ومہ، دوست، دشمن، اپنے اور غیر سب ہی سے اپنا لوہا منوایا کمال یہ تھا کہ صفات حمیدہ میں رسوخ نے وہ طبعی کیفیت حاصل کر لی تھی کہ کبھی

بھی انکی نمود وظہور میں تکلف کا شائبہ کسی کو محسوس نہ ہوتا تھا۔ ایک طرف وہ عالم بے بدل تھے اور مسند علم پر علمی تحقیقات سے تشنہ گان علوم کو سیراب فرماتے تھے تو دوسری طرف شیخ وقت اور مرشد کامل تھے کہ طالبین کو تعلق مع اللہ کی دولت سے مالا مال فرمایا کرتے تھے۔ پھر ان عظیم دینی اور روحانی خدمات کیساتھ انہوں نے پاکستان میں نظام اسلام کے قیام کیلئے مملکت خداداد اور پاکستان کے تحفظ واستحکام کیلئے جو گرانقدر خدمات انجام دیں پاکستان کا ہر ذی شعور شہری اس سے بخوبی واقف ہے اور اسمبلی کا ریکارڈ اس کے لئے شاہد عدل ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کے آثار علمیہ اور دارالعلوم حقانیہ کے فیوض وبرکات کو تادیر قائم ودائم رکھیں"۔

اب میں حضرت مولانا سلیم اللہ خانؒ کی رحلت پر انکے قلم کے یہی الفاظ جو انہوں نے اپنے استاد کو نظرانہ عقیدت کے طور پر قلمبند کیے تھے میں آپؒ ہی کیلئے بطور استعارہ پیش کرتا ہوں۔ حضرت مرحوم سال کے آخر میں اکثر طلباء کو دیگر نصائح کے ساتھ جدیدیت کے فتنے سے بچنے کا خصوصی طور پر تذکرہ فرماتے۔ دوران درس طلباء کو تلاوت قرآن پاک کا شغف اختیار کرنے کی تاکید فرماتے۔ کبھی کبھی افسوس کے ساتھ کہتے کہ اب تو حقیقی تہجد گزار تو کیا کہنا مجازی تہجد گزار بھی نہیں رہے۔ یاد رہے کہ حقیقی سے مراد انکا آخری پہر میں نیند سے اُٹھ کر تہجد پڑھنے والا اور مجازی سے مراد سونے تک وتر کو موخر کر کے اس سے قبل چند رکعات نوافل پڑھنا ہوتا تھا۔ اہل مدارس علماء وطلباء اور مہتممین کے نام انکی آخری تحریر یا بالفاظ دیگر وصیت نامہ جو وفاق المدارس کے گذشتہ ماہ دسمبر کے رسالے کا اداریہ تھا جو حرز جاں بنانے کے قابل ہے۔ جس میں اہل باطل اور انکے ہمنوا اصلاح کے نام پر دین بیزار این جی اوز کا موثر طور پر آپریشن کیا گیا تھا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحفیظ مکیؒ کے ارشادات

آج سے سترہ اٹھارہ برس قبل جب پہلی دفعہ حرمین شریفین کا سفر عمرہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں ہوا تو خوش قسمتی سے احب البلاد مکۃ المکرمہ میں احقر کی جائے اقامت عالم اسلام کا معروف اور حجاز کا قدیم مدرسہ صولتیہ بنا، یہ وہی مدرسہ ہے جسے معروف مناظر ومجاہد اسلام حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے قائم فرمایا۔ اس موقعہ پر مدرسہ کے مہتمم حضرت مولانا ماجد مسعود مدظلہٗ (المعروف بہ حشیم صاحب) نے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحفیظ مکیؒ سے تعارف کروایا جو اُس وقت "صولتیہ" کے مسند حدیث کی زینت تھے۔ حضرت مکی صاحب نے بڑی شفقت وتوجہ اور محبت سے نوازا۔ ایسا محسوس نہیں ہو رہا تھا کہ میری اُنکے ساتھ یہ اولین شناسائی اور ملاقات ہے۔ اندازِ محبت سے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے برسوں کا پرانا تعلق اور ربط رہا ہو۔ یقیناً یہ سب کچھ شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ اور دارالعلوم حقانیہ سے نسبت کا مظہر تھا۔ اس ملاقات کے بعد مکی صاحب کی محبت نے دل میں گھر کر لیا۔ جب تک مکہ میں مقیم رہا تقریباً ہر دوسرے تیسرے روز اس خندہ رو، علم وعمل

کے کوہ گراں سے ملاقاتیں برابر ہوتی رہیں۔ بعد میں متعدد اسفار کے دوران انکی خانقاہ ''بیت عبدالحق'' واقع بندوایہ شارع منصور مکۃ المکرمہ بھی آنا جانا لگا رہا۔ انکی صحبت و مجلس سے محبت و عقیدت کا یہ تعلق بڑھتا گیا..... احب الصالحین ولست منهم لعل الله یرزقنی صلاحاً

کے مصداق اکابرین و علماء اور اہل اللہ کے ساتھ اٹھک بیٹھک اسی غرض سے لگی رہتی ہے کہ شاید انکے طفیل ہمیں بھی رضائے الٰہی نصیب ہو جائیں۔ مولانا مکی مرحوم کے اچانک انتقال کی خبر نے ہلا کر رکھ دیا، بلاشبہ چند دنوں کے پے در پے صدمات نے تو اہل علم و عرفان کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق اعظمی کی رحلت کا صدمہ ابھی تازہ تھا کہ حضرت مولانا سلیم اللہ خانؒ آخرت کے سفر پر روانہ ہوئے اور پھر ایک دن کے وقفہ سے حضرت مکیؒ کی جدائی نے غم و حزن کی فضاء میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ ان اساطین علم وسلوک کے چلے جانے سے جو عظیم خلاء رونما ہوا ہے شاید ہی کہ وہ کسی طرح پُر ہو سکے۔ عمر کے آخری چند سالوں میں پاکستان آمد پر ہمارے ممدوح مولانا عبدالحفیظ مکی نے مادر علمی دارالعلوم حقانیہ کو متعدد بار اپنے قدوم میمنت سے نوازا، ان مواقع پر آپکے خصوصی اور عمومی مجالس میں استفادہ کا شرف بحمد اللہ حاصل رہا۔ ۱۹ اپریل ۲۰۱۵ء کو دارالعلوم حقانیہ کے عظیم دارالحدیث ''ایوان شریعت'' میں خطاب کے دوران حقانیہ کو پوری دنیا کے مسلمانوں کا روحانی مرکز قرار دیتے ہوئے فرمایا.....

''یہ ہمارا مرکز ہے بلکہ پورے دنیا کے مسلمانوں کا علمی و دینی مرکز ہے، اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے اور ان شاء اللہ فرمائے گا ان شاء اللہ ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ پوری پوری حفاظت فرمائے گا جو مراکز دینیہ کے محافظ ہیں، علم کے محافظ ہیں، قرآن وسنت کے محافظ ہیں، اللہ تعالیٰ خود اس کے محافظ ہیں، ان شاء اللہ دشمنان اسلام کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی اللہ تعالیٰ سب کی اپنے کرم سے حفاظت فرمائے اور آپ سب حضرات کو قبول فرمائے میں دعا کرتا ہوں ان حضرات اکابر کی محنتوں کو، جہود کو، فکر کو اور جو کچھ یہ محنتین کر رہے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور انکا محافظ ہوں، اللہ تعالیٰ اس دارالعلوم کو قدم قدم پر ترقیات سے نوازے ظاہری باطنی، علمی، عملی اور تعمیراتی ہر نوع کی ترقیات سے اللہ نوازے ان شاء اللہ''۔

حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ نے آپ سے دورۂ حدیث کے طلباء کو اجازتِ حدیث دینے کا فرمایا تو آپ نے اپنے اساتذہ کا تفصیلی تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''میں نے دورہ حدیث ۱۳۸۸ھ بمطابق ۱۹۶۸ء کو مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور یوپی انڈیا میں کیا، یہ ہمارے شیخ قطب الاقطاب برکۃ العصر حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی المدنیؒ کی تدریس کا آخری سال تھا، بخاری شریف جلد اول مکمل سبقاً سبقاً اپنے شیخ سے روایۃً و درایۃً پڑھی، دوسری جلد حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ اجڑاوی صاحب سے دوسری جلد مکمل روایۃً کہیں کہیں مفتی صاحب کلام فرماتے اور

جامع ترمذی بھی مکمل ظفر احمد گیلانی سبقاً سبقاً اور شمائل ترمذی مکمل پڑھی، اس کے بعد صحیح مسلم کامل مکمل دونوں جلدیں حضرت مولانا محمد یونس جونپوریؒ (موجودہ شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور صدر المدرسین مظاہر العلوم) سے پڑھی اور اسکے ساتھ ساتھ سنن نسائی، ابن ماجہ، مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد بھی روایۃً مکمل مولانا محمد یونس جونپوری سے پڑھی، سنن ابی داؤد مکمل سبقاً سبقاً مولانا محمد عابد سہارنپوری سے پڑھی، اسکے علاوہ ابی داؤد کی دوسری جلد شرح معانی الآثار کا اکثر حصہ حضرت مولانا اسد اللہ رامپوریؒ، خلیفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے پڑھی اور پھر حضرت کی طبیعت کی ناسازگی کی وجہ سے کتاب مکمل نہ کر سکے مظاہر العلوم میں یہ معمول چلا آرہا تھا کہ کوئی بھی کتاب ناقص نہ پڑھائی جائے چاہے سبقاً سبقاً ہو یا روایۃً یا درایۃً، میرے ان تمام مشائخ نے تفصلاً و تکرماً مجھے ان کتابوں کی اجازت فرمائی جو میں نے ان سے پڑھی، اور جو جو بھی راویانِ حدیث ہیں اور جن جن کی طرف سے اجازت ملی اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنی طرف سے رحمتیں نازل فرمائے ان سب نے مجھے تمام مرویات حدیثیہ کی اجازت فرمائی، میں بھی حضرت کے حکم سے آپ سب کی خدمت میں اس کی اجازت پیش کرتا ہوں، قبول فرمائیں"۔

ختم نبوت کے عقیدہ پر ہندوستان میں شب خون مارنے والے انگریز کے پروردہ ملعون مرزا غلام احمد قادیانی کے رد اور استیصال کیلئے جن بزرگوں نے اپنی زندگیاں وقف کیں اسکی لمبی تاریخ ہے تاہم دور حاضر میں مولانا عبدالحفیظ مکی کی شخصیت اسی قافلہ کا حصہ تھے۔ انٹرنیشنل تحریک ختم نبوت کے سٹیج پر اُنکی خدمات جلیلہ کا ایک زمانہ معترف ہے۔ آپکی عمر عزیز کا آخری دور باغیان ختم نبوت کے تعاقب میں گزرا اور اس کام کیلئے آپ نے اپنے پیچھے جو جماعت تیار کی ہے وہ ان شاء اللہ صدقۂ جاریہ رہیگا۔

حضرت مکی صاحبؒ تصوف وسلوک کے تابندہ چراغ تھے اور تزکیہ جیسے اہم فرض منصبی کی خاطر آپ افریقہ یورپ اور بلاد عرب وعجم کے مسلسل اسفار فرماتے تھے۔ اس موضوع پر فرمایا:

"ہمارے شیخ (حضرت مولانا زکریاؒ) کی ایک بات عرض کروں آپکی پیدائش کاندھلہ میں ہوئی چونکہ ان کے والد صاحب مولانا یحییٰ، حضرت (مولانا رشید احمد) گنگوہی کے خادم خاص اور کاتب بھی تھے۔ والد ماجد کچھ ہی عرصے بعد انہیں گنگوہ لے آئے، گنگوہ کی خانقاہ میں حضرت کا قیام تھا، اور وہ دور خانقاہ گنگوہ کے عروج کا دور تھا، حضرت گنگوہی اس وقت بہت کمزور ہو چکے تھے ان کو حجرہ سے ان کے بالکی لے جایا کرتا تھا، جب بالکی پر حضرت بیٹھے تھے، تو بالکی چاروں طرف سے خدام اٹھاتے تھے، ان اٹھانے والے خدّام میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ۔ حضرت مولانا عبدالرحیم رائے پوریؒ جیسے خدام ہوتے تھے جو حضرت کو مسجد لے جاتے تھے، اسی خانقاہ میں حضرت کی آنکھ کھلی، پھر عمر تقریباً

آٹھ سال تھی جب حضرت گنگوہی کا انتقال ہوا، اس کے بعد تھانہ بھون کی خانقاہ جو حضرت امداد اللہ مہاجر مکی کی ہجرت کی وجہ سے اجڑ گیا تھا حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے آباد کیا، حضرت تھانویؒ کا سارا دور حضرت شیخ الحدیث نے دیکھا اور حضرت کی آخری عمر تک اس خانقاہ کا نظارہ کیا، رائے پور کی خانقاہ حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ نے قائم کی تھی انکے بعد شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے کام سنبھالا اس خانقاہ کا سارا دور بھی حضرت شیخ نے دیکھا ۱۹۶۸ء میں حضرت شیخ نے تدریس چھوڑ دی تو مذکورہ ساری خانقاہیں اجڑ گئی تھیں، ان خانقاہوں میں کوئی ذاکر شاغل نہیں تھا اسی وجہ سے حضرت ان تینوں خانقاہوں کا تذکرہ فرماتے اور بہت زیادہ روتے اور اتنا روتے کہ بعض دفعہ ہچکیاں بھی بند ہوجاتی تھی فرماتے کہ ہمارے اکابر کے دور میں یہ سب خانقاہیں آباد تھیں اور اسی سے رجال کار تیار ہوتے۔ ہمارے تمام اکابر، علم کے ساتھ ساتھ خانقاہی سلسلہ کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے، حضرت تھانویؒ کے ایک ملفوظ سے پتہ چلتا ہے کہ اکابر کا طرہ امتیاز اصلاح قلب اور تزکیہ نفس کا کام ہی تھا۔

حضرت تھانوی فرماتے تھے، کہ اگر مجھے کوئی آدمی کہے کہ تمہارے اکابر سے بڑھ کر علم تفسیر میں فلاں بڑا عالم ہے تو میں اس سے جھگڑا نہیں کروں گا کیونکہ ہوسکتا ہے اور ممکن ہے اور اگر کوئی کہے کہ فلاں علم حدیث میں تمھارے اکابر سے بڑھ کر ہے تو اس سے بھی کوئی اختلاف نہیں کروں گا، کہوں گا کہ ہاں ممکن ہے احتمال ہے اور اگر کوئی کہے کی فقہ اور فتویٰ میں تمھارے اکابر سے بڑھ کر فلاں مفتی ہے تو میں ان سے بھی جھگڑا نہیں کروں گا بلکہ کہوں گا کہ ہاں ممکن ہے اور محتمل ہے لیکن میں یہ بات دعوے سے کہتا ہوں کہ للّٰہیت، بے نفسی، تقویٰ، اور تعلق مع اللہ میں میرے اکابر کا کوئی ثانی نہیں ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے لکھا ہے کہ ہمارے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے دارالعلوم دیوبند کا وہ دور دیکھا ہے جب دارالعلوم دیوبند کی تعلیمی شعبہ میں صدر مدرس سے لیکر ادنیٰ مدرس تک اور انتظامی شعبے میں مہتمم سے لیکر چپڑاسی تک اہل نسبت بزرگ ہوتے تھے دن کو دارالعلوم دیوبند میں قال اللّٰہ اور قال الرسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم کا غلغلہ ہوتا تھا اور رات کو دارالعلوم کے ہر کونے سے قرآن کی تلاوت کی آواز آتی تھی یا الا اللہ، اور اللہ اللہ کے ضربوں کی آواز آتی تھی اس سے معلوم ہوا کہ اکابر کے ہاں تزکیہ نفس کا بہت اہتمام ہوتا تھا، حتیٰ کہ اکابر میں سے کسی کی بھی سوانح زندگی اٹھا کر دیکھے تو پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے علم دین میں کمال حاصل کیا تو اسکے بعد چین سے نہیں بیٹھے بلکہ اپنے بڑوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور انکی زندگی کو اپنا لیتے حضرت نانوتویؒ ہو، حضرت شیخ الہندؒ ہو، گنگوہیؒ ہو، رائپوریؒ ہو، مولانا الیاس صاحبؒ ہو جتنے بھی اکابر تھے سب کے سب اہل نسبت بزرگ تھے"۔

افسوس آج ہم میں مکی صاحب نہ رہے تاہم ان شاء اللہ ان کی باتیں اور مشن صدا زندہ رہے گا۔

حرمین کی سرزمین سے محبت کی بنیاد پر حضرت مکی صاحبؒ کے والد ملک عبدالحقؒ نے ۱۳۷۳ء میں پاکستان کو خیرآباد کہہ کر وہاں مستقل سکونت اختیار فرمائی تھی۔ اسی محبت میں آپ کی اولاد بھی وہی پر مقیم ہے اگرچہ مکی صاحب کا انتقال تو دوران سفرِ جنوبی افریقہ ہوا لیکن یہ انکی خوش نصیبی کا واضح ثبوت ہے کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مدینہ خاکِ پاک (جنت البقیع) میں دفن ہونے کی سعادت ملی۔ مرحوم کی تدریسی، دعوتی، اصلاحی، اشاعتی اور خاص کر تحفظ ختم نبوت کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشند خدائے بخشندہ است

نانا جان حضرت قاضی عطاء الرحمٰن جہانگیرویؒ کی آپ بیتی

حد درجہ بے نفس و متواضع، زبردست قرآن خوان، طویل العمر شخصیت نانا جان حضرت قاضی عطاء الرحمٰن صاحب جہانگیروی ۱۳ جنوری ۲۰۱۶ء بروز جمعہ بعد از عشاء ۹۲ برس کی عمر میں اس دار فانی سے دار البقاء کی طرف کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون آپکی رحلت کی خبر تایا جان پروفیسر محمود الحق حقانی صاحب نے موبائل کے ذریعے دی تو اس وقت یوں محسوس ہوا جیسے زمین پاؤں تلے کسک گئی ہو۔ یقین تو نہیں آرہا تھا لیکن یہ ایسی مسلم حقیقت ہے جس سے کوئی بھی ذی شعور انکار نہیں کر سکتا۔ آپ گذشتہ آٹھ ماہ سے علیل ضرور تھے لیکن اس کے باوجود عزم و ہمت اور برداشت کے کوہ گراں ہونے کی وجہ سے دیکھنے والا ان پر بیمار کا گمان نہیں کرتا تھا۔ وفات سے چند روز قبل اپنے بیٹے قاضی نسیم الرحمٰن کے ہاں اسلام آباد تشریف لے گئے اور وہی تادم وفات مقیم رہے۔ جمعہ کے روز سورۂ کہف معمول کے مطابق پڑھی نمازیں ادا کیں۔ عشاء کے وقت سانس خراب ہوئی تو پہلے نماز عشاء پڑھنے کیلئے کھڑے ہوئے۔ گھر والوں نے کہا کہ عشاء کا وقت تو کافی لمبا ہوتا ہے طبیعت سنبھل جائے تو پڑھ لینگے۔ لیکن انہوں نے دنیا سے جاتے ہوئے معراج مومن (نماز) چھوڑنا گوارا نہ کیا، پھر انہیں طبی امداد کیلئے پمز ہسپتال لے جایا گیا تو باوجود سخت تکلیف و بے چینی کے گاڑی سے اُتر کر کاؤنٹر سے خود پرچی وصول کی چند لمحوں میں انہیں ایمرجنسی میں ای سی جی کروانے لے جایا گیا اس دوران کلمہ طیبہ اور شہادت کا ورد مسلسل فرماتے رہے۔ موت کے وقت یہی وہ مرحلہ ہوتا ہے جس کے بارے میں ہر مسلمان خوف وڈر کا شکار رہتا ہے کہ کہیں خاتمہ خیر کے برعکس نہ ہو:

نشان مرد مومن با تو گویم چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

مرحوم نانا جان جنہیں ہم ''خان جی'' کے نام سے پکارتے تھے، آپ کے والد قاضی عزیز الرحمٰن کے متعلق مولانا سمیع الحق مکتوبات جلد اول کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ '' شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے بڑے

ہم زلف تھے' علاقہ چھچھ، غور غشتی اور جلالیہ وغیرہ میں تعلیم پائی، بڑے دبنگ بااثر اور رعب دار شخصیت کے مالک تھے، اور اپنے چچا قاضی شمس القمر جو نہایت متقی اور پارسا بزرگ تھے کی جگہ قاضی علاقہ کے مقرر ہوئے، مغلیہ دور سے ان کے اکابر میں قضا کا عہدہ چلا آ رہا تھا۔'' قاضی عطا الرحمٰن صاحب جوانی میں کلین شیو، سوٹیڈ بوٹیڈ ماڈریٹ شخصیت کے حامل رہے تاہم اللہ تعالیٰ نے آپکی زندگی کی کایا پھر ایسی پلٹ دی کہ عمر کے آخری تہائی حصے میں اُنہیں نیم شب کی بادشاہی کا ایسا چسکا لگا کہ تہجد کی نماز بمشکل قضاء ہوتی تھی۔

زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب
من ملک نیم روز بیک جو نمے خورم

آپ اکثر تین روز کے قلیل مدت میں مکمل قرآن پاک ختم فرماتے، اسی وجہ سے نانی اماں کا کہنا ہے کہ میں کبھی کبھی اُن سے کہتی کہ آپ نے قرآن پاک کو اپنا دوست بنالیا ہے۔ جس پر وہ خوش ہو کر کہتے بالکل یہ میرا ساتھی اور سختی کا سہارا ہے۔ میں نے انکی زندگی کی کچھ آپ بیتی مختلف مواقع پر سنی جس کا خلاصہ تاریخ کا حصہ بنانے کی غرض سے پیش کرتا ہوں۔ میں نے ایک دفعہ اُن سے سوال کیا کہ آپ ہندوستان میں تقسیم سے قبل مقیم رہے کیا اکابرین دیوبند سے ملاقاتیں ہوئی تھیں؟ تو فرمایا کہ ''ایک مرتبہ سپین خاک نوشہرہ سے تعلق رکھنے والے ایک شخص سے گھوڑا سہارنپور میں عاریتاً لے کر دارالعلوم دیوبند روانہ ہوا، انتالیس کلومیٹر مسافت تھی دوران سفر بٹھک بھی گیا غازی پور کے بجائے دوسری طرف نکل گیا بڑی مشکل سے پوچھتے پوچھتے دیوبند قصبے کے قریب پہنچا۔ راہگیروں سے دیوبند کے بارے میں معلوم کرتا تو وہ اپنے مخصوص مقامی لہجے کی وجہ سے میرے اس تلفظ پر نہیں سمجھتے۔ آخر کسی نے مجھے سمجھایا کہ ''ریبنز'' کہو۔ دارالعلوم دیوبند کے قریب کوہاٹ سے تعلق رکھنے والے ایک شخص کا لکڑیوں کا گودام تھا۔ اُسکے ہاں گھوڑا باندھا جس نے مجھے کہا کہ آپ گھوڑے کی فکر سے بے غم رہے، میں اسے چارہ پانی دیا کرونگا۔ مدرسہ کے گیٹ سے داخل ہوا تو نوٹس بورڈ کے قریب ایک چترالی طالب علم صاحب زمان سے سامنا ہوا جو کہ میرے والد صاحب سے مختلف کتابوں میں کسب فیض پا چکا تھا وہ مجھے خالو جان مولانا عبدالحقؒ کے پاس لے گئے۔ باب الظاہر میں انکا کمرہ تھا تین دن تک وہاں اقامت رہی، اس دوران حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ہاں حاضری کا موقع بھی نصیب ہوا، انکی خلوت گاہ میں عجیب بے نفسی اور دنیا سے بے رغبتی کا ماحول ملاحظہ کیا، زمین پر گنے کا بھوسہ پڑا تھا اس پر بوریا نما بستر اور سرہانے اینٹ نما تکیہ ہی انکا سارا اثاثہ تھا۔ ایک دفعہ حالات زندگی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ''ہمارے والد صاحب دینی معاملے میں بڑے سخت مزاج تھے کوئی کام اگر خلافِ شرع یا تھوڑا سا بھی شریعت سے ادھر اُدھر ہوتا تو اس پر سخت دار و گیر فرماتے، اللہ تعالیٰ نے انہیں قدرتی رعب سے نوازہ تھا۔ ایک رات مسجد میں عشاء کی نماز باجماعت چھوٹ گئی تو انکی گرفت کے خوف سے رات ماموں الحاج

سیف الرحمٰن کے ہاں گزاری اور اگلے روز اکوڑہ خٹک جا کر خالہ جان (حضرت مولانا عبدالحقؒ کی زوجہ) سے سات روپیہ لے کر سہارنپور بھاگ گیا جہاں محلّہ ٹیلہ والا میں ہمارے گاؤں کے محبّ اللہ تجارت کے سلسلہ میں رہائش پذیر تھا۔ اُنکے ہاں کچھ عرصہ قیام رہا پھر روڑکی میں پاور ہاؤس کی تعمیر شروع تھی، ایک نہر سے دوسرے نہر کا جنکشن بن رہا تھا۔ ہندو ٹھیکیدار چوہدری پرشاد کے ہاں ستر روپے ماہوار پر ملازمت اختیار کی۔ ۱۹۴۴ء میں سہانپور کے مدرسہ مظاہر العلوم جانا ہوا جہاں میرے ماموں زاد مولانا حافظ لطف الرحمٰن زیر تعلیم تھے، اس موقع پر وہاں کے عظیم اساطین علم و عمل کی زیارت بھی میسر ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد میرے والد کا خط آیا کہ میں سخت بیمار ہوں نہ جانے کب موت کا فرشتہ لینے آجائے لہٰذا فوراً آکر ملاقات کرلو یہ خط ملتے ہی میں واپس گھر لوٹ آیا۔ ۱۹۴۵ء میں اُنکا انتقال ہوا تو پورے گھر کا بوجھ میرے سر ہوا، میں نے اپنے بھائی قاضی ضیاء الرحمٰن کو کہا کہ آپ علم دین کے حصول میں برابر مصروف رہے اور کسب معاش کی ذمہ داری مجھ پر چھوڑ دے۔ ضیاء الرحمٰن نے ابتدائی تعلیم تو اپنے والد ماجد سے حاصل کی تھی پھر مزید علمی پیاس بجھانے کیلئے اپنے ماموں مولانا عبدالحنان فاضل دیوبند اور مضافاتی گاؤں نواں کلے کے علماء کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے۔ کچھ عرصہ بعد والد ماجد نے اپنے ہم زلف مولانا عبدالحق صاحب کی نگرانی میں دارالعلوم دیوبند بھیجا۔ چند سال تک وہی پڑھائی کی۔ تقسیم ہند کے بعد دارالعلوم حقانیہ قائم ہوا تو اس سے وابستہ ہوئے۔ ۱۹۵۰ء میں فراغت حاصل کی اور اپنے آباؤ اجداد کی طرح قضاء اور دینی علوم کی نشر و اشاعت کے کاموں میں شروع کیا۔ جبکہ میں ۱۹۴۸ء سے لے کر ۱۹۵۲ء تک میران شاہ وزیرستان میں بسلسلہ ملازمت مقیم رہا جہاں شیدو کے خانزادہ مولانا عبدالحق اور لطف الحق کا وزیرستان میں آرمی سکاؤٹس رجمنٹ میں ٹھیکیداری تھی، میں انکی طرف سے وہاں نگران مامور رہا۔ اسی دوران والدہ کا انتقال ہوا'' ایک دفعہ میں نے قاضی صاحب سے ان کے بڑے بھائی قاضی ضیاء الرحمٰن کی شہادت کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ'' وزیرستان میں میری ملازمت کے دوران ہی ۲۳ ستمبر ۱۹۵۱ء کو اُنکی شادی ہوئی، میں تقریب میں شریک نہ ہوسکا اس سے تقریباً چالیس روز بعد ہمارے ایک رشتے کے چچا قاضی عبدالودود نے کسی بات پر بحث وتکرار کے بعد ۳۱ اکتوبر کو صبح دس گیارہ بجے بندوق کی گولیاں مار کر بے گناہ شہید کر دیا اس جنونی شخص نے اسی پر بس نہ کیا بلکہ بعض راہ گیروں کو بھی جنہوں نے عبدالودود قاتل کو قاضی صاحب کے مارنے پر برا بھلا کہا طیش میں آکر مار ڈالا، تقریباً سات راہگیر تھے، میں اتفاقاً اس واقعہ کے دن وزیرستان سے چھٹی لے کر گاؤں آرہا تھا، مجھے کوئی خبر نہ تھی رات لیڈی ریڈنگ ہسپتال کے سامنے سرائے میں گزاری، تمام رات ایک لمحہ بھی نیند نہیں آئی کروٹیں لیتا رہا صبح گاؤں کے ایک شخص سے معلوم ہوا کہ گاؤں میں جھگڑا ہوا ہے جس میں کئی لوگ مارے گئے ہیں۔ میں نے اس سے برجستہ پوچھا کہ کہیں میرے بھائی کو تو کچھ نہیں ہوا ہے لیکن اس نے انکار کر دیا کہ مجھے تفصیلات

معلوم نہیں۔بس کے ذریعے نوشہرہ پہنچا تاج بلڈنگ کے سامنے تانگوں کا اڈہ تھا جہاں اکوڑہ خٹک کے احمد خان سے سامنا ہوا، اس نے مجھے دیکھ کر کہا او بدقسمت تو ادھر کیا کر رہا ہے میں نے اُسے کہا کہ کیا بات ہے تو اس نے کہا کہ تمہارے بھائی کو چچا نے دیگر راہگیروں کیساتھ بڑی بیدردی سے شہید کر دیا۔ اس خبر سے میں حواس باختہ ہوا، معلوم نہیں کہ میں کس طرح گاؤں پہنچا یہاں پورے علاقے میں کہرام مچا ہوا تھا، یکم نومبر کو صبح گیارہ بجے ان شہداء کا جنازہ مولانا عبدالحقؒ نے پڑھایا" (یاد رہے کہ یہی مقتول قاضی ضیاء الرحمٰن فاضل حقانیہ راقم الحروف کا حقیقی نانا تھا جس کی نوبیاہتی دلہن سے پس از شہادت ایک بیٹی پیدا ہوئی جو کہ میری والدہ محترمہ ہیں۔ عدت گزر جانے کے بعد نانی صاحبہ کا دوسرا عقد ان کے چھوٹے بھائی قاضی عطاء الرحمٰن صاحب سے ۲۶/اپریل ۱۹۵۳ء کو ہوا جنہوں نے عمر بھر اپنی بھتیجی اور سوتیلی بچی کو یہ احساس ہی نہ ہونے دیا کہ میں اسکا حقیقی باپ نہیں ہوں یہی حالت مرحوم کی ہمارے ساتھ رہی ہمیں کبھی بھی یہ فرق محسوس نہیں ہوا کہ یہ ہمارے حقیقی نانا نہیں ہیں) ہم اصاغران سے جہانگیرہ سے واپسی پر رخصت لیتے تو موصوف ہمارے ساتھ باوجود کمزوری اور بڑھاپے کے گاڑی تک لازماً آتے، ہم منع بھی کرتے لیکن وہ اپنی محبت سے مجبور ہو کر ایسا کرتے۔

اپنی سرگزشتِ حیات سناتے ہوئے فرمایا کہ "وزیرستان کے علاوہ جہانگیرہ کے پی ٹی آئی فیکٹری، معروف تعمیراتی گیمن کمپنی کیساتھ سرگودھا، تربیلا میں بھی ملازمت کے سلسلے میں وابستگی ایک طویل عرصے تک رہی اور آخر میں بیرون ملک دوبئی میں کسب معاش کے سلسلہ میں جانا ہوا۔ ۱۹۸۰ء کی دہائی میں دنیاوی جھنجٹوں سے نجات مل گئی اور اب توبہ و استغفار کر کے اللہ تعالیٰ سے اپنی گناہوں کی معافی مانگتا ہوں کہ وہ بڑا غفور و رحیم ہے"۔

اُمید ہے اللہ تعالیٰ نے مرحوم سے مغفرت کا معاملہ فرمایا ہوگا اس لیے کہ حدیث شریف میں اللہ نے فرمایا ہے کہ انا عند ظن عبدی "میں اپنے بندے کے گمان کے موافق ہوں" آپ کا نماز جنازہ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کی امامت میں ۱۴ جنوری بعد نماز ظہر ۲ بجے ادا کیا گیا جس میں علاقہ بھر سے عام لوگوں کی کثیر تعداد کے علاوہ سینکڑوں علماء، طلباء، مشائخ اور زعماء شامل تھے۔ تدفین کے بعد قبر کے سرہانے حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے قاضی صاحب کی شخصیت اور انکے آباؤاجداد کے علمی دینی خدمات پر روشنی ڈالی۔ مرحوم کے پسماندگان میں دارالعلوم کے فیض یافتہ مولانا قاضی گوہر رحمان، انجینئر لطافت الرحمٰن، قاضی ہدایت، قاضی نسیم الرحمٰن اور قاضی نعیم الرحمٰن کے علاوہ تین بیٹیاں شامل ہیں۔

اللھم اغفرھم وارحمھم وتجاوز عنھم سیأتھم وأجعل الجنة الفردوس ماوا ھم آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم